گھڑے میں چاند

گوپینی کرونا کر

آرٹ
نیلیما شیخ

eklavya
Anveshi

گھڑے میں چاند

گوپینی کرونا کر

آرٹ

نیلیما شیخ

ترجمہ

اسماء رشید

سیریز ایڈیٹر

دیپتا آچار

اُردو ایڈیٹرز

اسماء رشید اور ایم. اے. معید

گڈوّا نے چھیکے میں رکھے گھڑے سے چاند کو نکالا اور آسمان پر ٹانگ دیا۔
چاروں طرف چاندنی چھا گئی۔

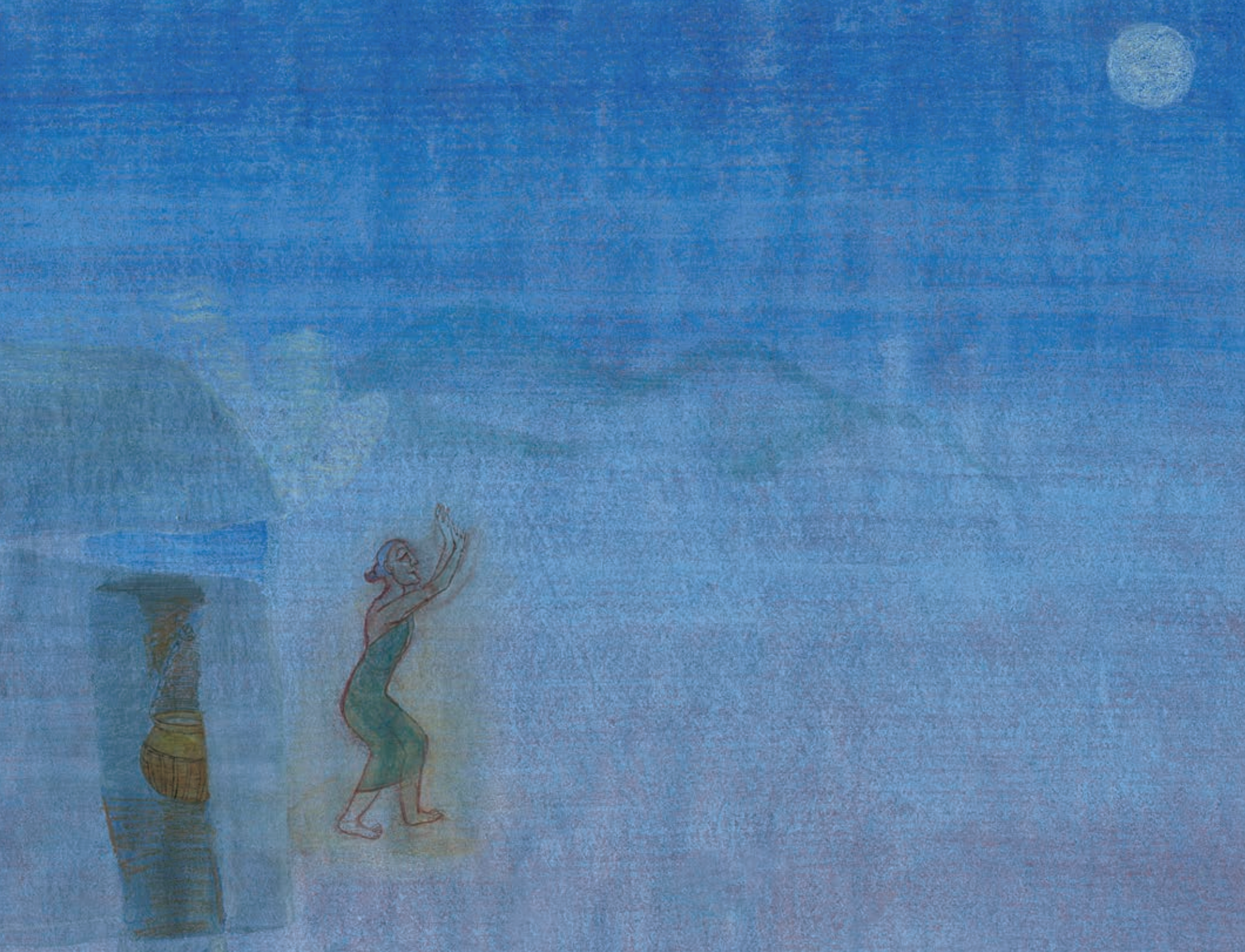

دودھیا پہاڑ پر سنہری سی چاندنی، بنجر پتھروں اور چٹانوں پر ہلکی سی چاندنی، جھیل کے میٹھے پانی پر چمکتی روپہلی چاندنی۔ ہرے بھرے کھیتوں پر زرخیز چاندنی۔ اِملی کے پیڑوں پر نازک کونپل سی چاندنی۔ سارس کے سفید پنکھوں پر پھیلی دودھیا سی چاندنی۔

آسمان سے لٹک رہے اس چاندنی کے جھولے پر سارا گاؤں ہولے ہولے جھول رہا تھا۔

آج رات گڈوّا چاند کو پھر سے چھیکے سے لٹکے گھڑے میں رکھ دے گی۔
میں اُس سے پہلے جاگ جاؤں گا اور چاند کو گھڑے سے چُرا کر اُسے کہیں
چھپا دوں گا۔ پھر دیکھتے ہیں!

کیا کرے گی وہ؟ ہر روز چاند دینے کا وعدہ کرتی تو ہے، پر کبھی نہیں دیتی!

گرمیوں کی ایک شام بہت تیز بارش ہوئی۔

اُس رات آنگن میں ڈھاک کا پیڑ تاروں سے جگمگا اُٹھا۔

میرا چھوٹا بھائی پیرو بابو، میری چھوٹی بہن وسنتا اور میں پیڑ کے قریب پہنچے۔ وسنتا حیرت سے اپنے ہاتھ مُنہ پر رکھ کر بولی، ”امّاں! کتنے سارے تارے!“

میں نے پیڑ کی ایک ٹہنی پکڑ کر اسے زور سے ہلایا۔ تارے پھولوں کی طرح زمین پر برس پڑے۔ ہم ان تاروں کو اپنے دامن میں سمیٹ کر گڈوّا کے پاس دوڑے (ہم انہیں گڈوّا بلاتے ہیں کیونکہ ان کی ایک ہی آنکھ ہے۔) تارے ہمارے بالوں میں، ہمارے کپڑوں پر جگمگا رہے تھے۔ ہم ایسے دمک رہے تھے جیسے بالوں میں پھول کی جگہ تارے ہوں اور تارے بھرے شرٹ اور فراک پہنے ہوئے ہوں۔ انگلی سے اپنے فراک پر چمکتے تاروں کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے وسنتا بولی، ”امّاں دیکھو! کتنے سارے تارے!“

”ارے یہ تارے نہیں، یہ تو جگنو ہیں،“ امّاں بولنے لگی۔

”جگنو؟ وہ کیا ہوتے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”یہاں آؤ۔ میرے پاس بیٹھو،“گڈوّا نے کہا اور ہم سب ان کے پاس آکر بیٹھ گئے۔

ہم نے جگنو ہوا میں اُڑا دیے اور وہ رسّی پر سوکھ رہی دادی کی ساڑھی پر جا بیٹھے۔ گڈوّا ہمیں جگنوؤں کی کہانی سنانے لگی۔

”جب چاند آسمان سے مسلسل گِھستا رہتا ہے، تو جو ذرّے زمین پر گرتے رہتے ہیں، وہی جگنو ہیں۔“

”ایک دفعہ سنہری چڑیوں کاایک جُھنڈ بھگوان کے پاس گیا اور ان سے عاجزی کرنے لگا۔ تمہیں پتہ ہے انہوں نے کیا کہا؟ کہنے لگے، ’اے پربھو! رات کو انسان اپنے گھروں میں دیے جلاتے ہیں۔ کالے ناگ کے سر پر چمکتا ہوا نگینہ ہوتا ہے۔ اُلّو کی موٹی آنکھیں دیئے کا کام کرتی ہیں۔ پر ہمارے گھونسلوں میں تو اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ ہم اُنہیں کس سے روشن کریں؟ ہمارے بھی ننھے منّے بچّے ہیں۔ ہم پر رحم کرو، پربھو کو اُن کی فریاد پر ترس آگیا۔ بولے، ’چاند آسمان سے اتنی مدت سے گِھس رہا ہے۔ یہ سارا چاند کا ذرّہ لے جاؤ اوراپنے گھونسلوں کو اس سے سجالو۔ تمہیں تمہاری روشنی مل جائے گی۔“

”اس وقت سے سبھی چڑیاں اپنے گھونسلے کو گیلی مٹی سے پوت دیتی ہیں تاکہ اُس پر چاند کا ذرّہ چپک جائے۔یہ جگنو ہی ان کے گھونسلوں کے سنہرے چراغ ہیں،“ گڈوّانے بتایا۔

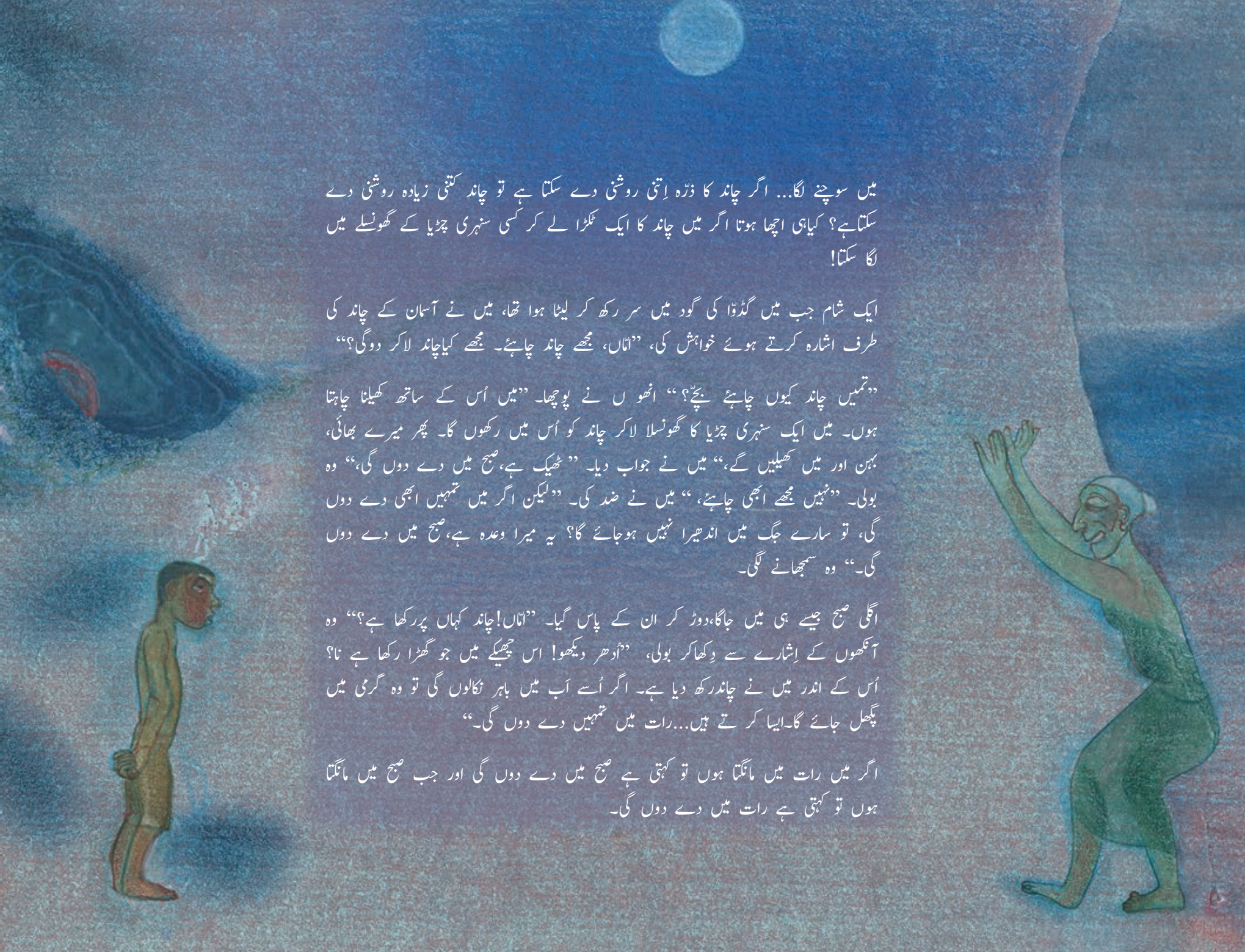

میں سوچنے لگا... اگر چاند کا ذرّہ اِتنی روشنی دے سکتا ہے تو چاند کتنی زیادہ روشنی دے سکتاہے؟ کیاہی اچھا ہوتا اگر میں چاند کا ایک ٹکڑا لے کر کسی سنہری چڑیا کے گھونسلے میں لگا سکتا!

ایک شام جب میں گڈوّا کی گود میں سر رکھ کر لیٹا ہوا تھا، میں نے آسمان کے چاند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خواہش کی، ''امّاں، مجھے چاند چاہئے۔ مجھے کیاچاند لاکر دوگی؟''

''تمہیں چاند کیوں چاہئے بچّے؟'' انھو ں نے پوچھا۔ ''میں اُس کے ساتھ کھیلنا چاہتا ہوں۔ میں ایک سنہری چڑیا کا گھونسلا لاکر چاند کو اُس میں رکھوں گا۔ پھر میرے بھائی، بہن اور میں کھیلیں گے،'' میں نے جواب دیا۔ '' ٹھیک ہے،صبح میں دے دوں گی،'' وہ بولی۔ ''نہیں مجھے ابھی چاہئے،'' میں نے ضد کی۔ ''لیکن اگر میں تمہیں ابھی دے دوں گی، تو سارے جگ میں اندھیرا نہیں ہوجائے گا؟ یہ میرا وعدہ ہے،صبح میں دے دوں گی۔'' وہ سمجھانے لگی۔

اگلی صبح جیسے ہی میں جاگا،دوڑ کر ان کے پاس گیا۔ ''امّاں!چاند کہاں پررکھا ہے؟'' وہ آنکھوں کے اِشارے سے دِکھاکر بولی، ''اُدھر دیکھو! اس چھیکے میں جو گھڑا رکھا ہے نا؟ اُس کے اندر میں نے چاندرکھ دیا ہے۔ اگر اُسے اَب میں باہر نکالوں گی تو وہ گرمی میں پگھل جائے گا۔ایسا کر تے ہیں...رات میں تمہیں دے دوں گی۔''

اگر میں رات میں مانگتا ہوں تو کہتی ہے صبح میں دے دوں گی اور جب صبح میں مانگتا ہوں تو کہتی ہے رات میں دے دوں گی۔

میں نے فیصلہ کیاکہ اب ا یسا نہیں چلے گا۔ ایک دن میں نے خوب ضد کی۔ میں نے کہا ،''کچھ بھی ہو، مجھے چاند تو دینا ہی پڑے گا۔'' وہ مان گئی۔ اس نے چھیکا نیچے اُتارا اور گھڑا باہر نکالا۔ چاند کو اپنی ہتھیلی کے پیالے میں جمع کرنے لگی۔ میں نے جلدی سے اپنے ہاتھ آگے بڑھایا اِس اُمید پر کہ وہ چاند اب مجھے دیدے گی۔ اُنہوں نے دینے کا جھوٹ موٹ ناٹک کیا اور اچانک اپنے ہاتھ اوپر کرکے چاند کو آسمان میں اُچھال دیا۔ انگلی اٹھاکر بولی، ''دیکھو! وہ رہا چاند،وہاں اوپر آسمان میں۔''

میری طرف دیکھ کر گڈوّا ہنسنے لگی۔ مجھے اِتنا غُصّہ آیا کہ جی چاہا ان کے سارے دانت پتّھر مارکر توڑ دوں۔ پر گڈوّا کے منہ میں ایک بھی دانت بچا کہاں تھا!

''ہنسو! جتنا جی چاہے۔ ہنسو! ایک دن میں چاند کو چُرا لوں گااور پتہ بھی نہیں چلے گا۔ پھرتم روؤگی اور میں ہنسوں گا۔'' میں بڑبڑاتا رہا اور بدلے کی آگ میں جلتا رہا۔ پورے پندرہ دن تک چاند کو اُس نے کہیں چھپاکر رکھا۔ میں نے ہر جگہ تلاش کیا، پروہ نہیں ملا۔ آج پھر سے اُس نے چاند کو نکال کر آسمان میں ٹانگ دیا۔

میں نے بھی فیصلہ کرلیاکہ آج مجھے چاند چُرانا ہی ہوگا، چاہے کچھ بھی ہوجائے۔ کچھ دن پہلے ہی میں نے ایک چڑیا کا گھونسلہ لاکر ڈھاک کے پیڑ کی ایک ٹہنی پر لٹکادیا تھا۔ ''چاند کو ہم گھونسلے میں رکھیں گے اور پیروبابو، وسنتا اور میں اُس کے ساتھ کھیلیں گے۔''میں نے طئے کرلیا تھا۔

میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔چاند، تاروں کے بیچ دمک رہا تھا۔

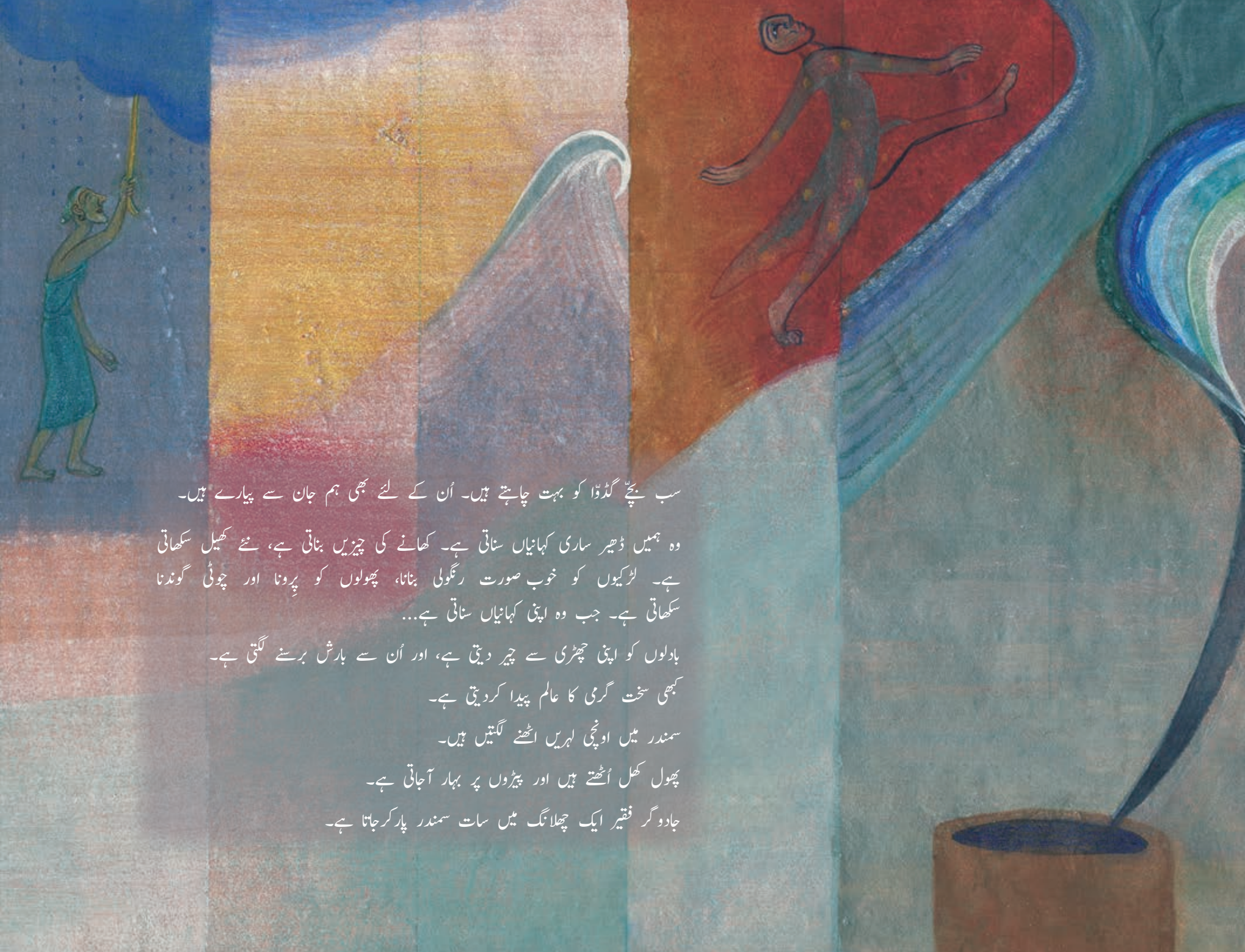

سب بچّے گڈوّا کو بہت چاہتے ہیں۔ اُن کے لئے بھی ہم جان سے پیارے ہیں۔

وہ ہمیں ڈھیر ساری کہانیاں سناتی ہے۔ کھانے کی چیزیں بناتی ہے، نئے کھیل سکھاتی ہے۔ لڑکیوں کو خوب صورت رنگولی بنانا، پھولوں کو پِرونا اور چوٹی گوندنا سکھاتی ہے۔ جب وہ اپنی کہانیاں سناتی ہے...

بادلوں کو اپنی چھڑی سے چیر دیتی ہے، اور اُن سے بارش برسنے لگتی ہے۔

کبھی سخت گرمی کا عالم پیدا کردیتی ہے۔

سمندر میں اونچی لہریں اٹھنے لگتیں ہیں۔

پھول کھل اُٹھتے ہیں اور پیڑوں پر بہار آجاتی ہے۔

جادوگر فقیر ایک چھلانگ میں سات سمندر پارکرجاتا ہے۔

ایک دن اس نے بتایاکہ اپنے صرف ایک بال سے ساتوں سمندر باندھ کر اُنھیں گھرلاکر اپنے کنویں میں اُنڈیل دیاتھا۔

پہلے تو میں نے یقین نہیں کیا ۔ ''نرم ملایم ہرے پتے کی قسم'' وہ بولی۔ ''اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو یہ لو، کنویں کا پانی پی کر مجھے بتاؤ، کھارا لگتا ہے کہ نہیں؟ ''میں نے پیا، پانی اس قدر نمکین تھا کہ فوراً تھوک دیا۔ ''اچّھا، ٹھیک ہے۔ میں مان لیتا ہوں'' میں نے حامی بھری۔بالوں میں اپنی شفیق سی انگلیاں پھیلاتے ہوئے مجھے قریب کرکے امّاں بولی، ''کتنا بھولا ہے، میرا پوتا'' اور مجھے چومنے لگی۔ میں تو ان کی بات پر یقین کرلیتا پر میرے بھائی بہن اتنی آسانی سے نہیں ماننے والے تھے۔ وہ اُن کی باتوں میں آتے کہاں تھے۔

راکشس چلاتے ہوئے گڈوّا کی طرف دوڑتے مگر اُن کے ہاتھ میں چھڑی پر نظر پڑتے ہی اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے۔ ان کو اپنی جان جو پیاری تھی!

دیوتا اُنہیں سورگ آنے کی دعوت دیتے، اپنے تخت پر بٹھاتے اور پھر کہانی کی فرمائش کرتے۔

جب ہماری گڈوّا کہانی سناتی ہے،تو پرندے اور جانور بھی اپنا راستہ بھول کر وہیں جم جاتے ہیں۔

چاندی جیسی سفید چھڑی لئے وہ بھی کبھی کسی جادوگرنی سے کم نظر نہیں آتی۔

چھڑی لٹھ بن جاتی

تیر بن جاتی

درانتی بن جاتی

بانسری بن جاتی

واہ! کیسے وہ اپنی جادوی چھڑی کو گھماکر اتنی زبردست کہانیاں سناتی! کیسے حیرت انگیز اور طِلسماتی جال بُن دیتی تھی۔

آخر یہ سب ہماری گڈوّا نے کہاں سے سیکھا؟ میں سمجھنے سے قاصر تھا۔

پر ہمیں جادوی کہانیاں سنانے والی گڈوّا کی کہانی خود بہت اُداس تھی۔

گڈوّا ہمارے دادا کے بڑے بھائی، پیدّامانا چنگیّا کی بیوی ہیں۔ میری امّاں کی خالہ بھی ہیں۔ آخر گڈوّا میرے دادا کی بہن کی بیٹی جو ٹھہری۔ وہ ہمارے 'یلامند' گاؤں کی نہیں تھی۔ وہ تو 'تروپتی' کے قریب 'ارے پلی رنگما' گاؤں سے ہے۔ چنگیّا تاتا نے اُن سے شادی کی اوروہ اپنے سسرال میں رہنے چلے گئی۔ وہاں، ٹھیکے پر زمین لے کر کھیتی باڑی کا کام شروع کیا۔

کم عمری میں ہی گڈوّا کی بائیں آنکھ میں موتیا بند آگیا تھا۔ 'نارالاپلّے' گاؤں کی ایک کمّا عورت نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ دھان کی پتلی ڈنٹھل سے آنکھ میں موتیا کے پرت کو نکال سکتی ہے۔ پر ایسا کرتے وقت اُس نے آنکھ کی پوری پُتلی ہی چیر دی اور اس طرح ہماری گڈوّا ایک آنکھ سے اندھی ہوگئی۔

اُس وقت سے لوگ اُن کا اصلی نام 'اجی لچمی' چھوڑ کر ایک آنکھ والی 'گڈیدانہ' پکارنے لگے۔ ہمارے بڑے دادا سے شادی کرکے انہیں بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑی۔ وہ بڑے زور سے اُنھیں مارتے تھے۔ بھینس پر چلانے والے کوڑے سے ان پر ظلم کرتے تھے۔ لڑتے جھگڑتے بہرحال ان دونوں کاایک بیٹا بھی ہوگیا۔ لیکن کچھ دنوں بعد ہمارے دادا نے دوسری شادی کرلی اور اپنی نئی بیوی گھر لے آئے۔ بیٹے کے خیال نے بھی دادا کو نہیں روکا۔ گڈوّا سے یہ برداشت نہیں ہوسکا۔ بچّے کو لے کرتروپتی کے سات پہاڑوں کی طرف نکل گئی جہاں ان کا بھائی رہتا تھا۔ میرے نانا مندر میں پوجاکی رسموں میں مورتیوں کو اُٹھانے کا کام کرتے تھے۔

اپنے ایک سالہ بیٹے کو پیٹھ پر باندھ کر، وہ 'پیدّا جینگرمٹھ' اور 'میسورمٹھ' کے تعمیر کے دوران اینٹ اٹھاتی تھی۔ پھر کچھ وقت کومٹیوں کے مہمان خانے میں جھاڑو لگائی۔ تیرتھ یا تریوں کو گرم پانی پہنچانے کا کام بھی کیا۔ ترویتی میں اس نے ایسی کئی مصیبتوں کا سامنا کیا۔ پر یہ سب کس کے لئے تھا؟ بیٹا بڑا ہوگیا تو اپنے باپ کے پاس لوٹ گیا۔ پھر اس نے بھی شادی کرلی اور اس کے بچّے بھی ہوئے پر گڈوّا وہیں پہاڑ پر رہتی تھی۔ نہ اُن کے شوہر کو اور نہ ہی ان کے بیٹے کو ان کی پرواہ تھی۔ خود ان کے بھائی نے ان کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا۔ ہاں، جب تک وہ جوان تھی اور محنت کرکے کما سکتی تھی، تو سب ان سے پیسہ مانگنے آ جاتے تھے۔ مگر بڑھاپے میں کسی کو ان کا خیال نہیں آیا۔

تب میرے بابا نے ان کی مدد کی۔ گڈوّا کو اپنے گاؤں لے آئے۔سفیدے کے درخت کے نیچے ایک جھونپڑی ڈال کردی۔ میری ماں نے بھی اُن کاپورا خیال رکھا، خالہ جو تھی۔

پر پتہ ہے، اس عمر میں بھی وہ کبھی بیکار نہیں بیٹھتی ہے۔ تلے ہوئے چنے اور گڑ کے لڈّو بناکر، ایک ٹوکری میں سجاکر، ہمارے اسکول کے سامنے بیٹھ کر بچّوں کو بیچتی ہے۔ جب ا سکول بند ہوجاتا ہے، تو مُسلم بستی کے پاس والے بس اسٹینڈ پر جاکر رات دیر گئے بیچنے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ میرے بابا پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔

یہ ہے ہماری گڈوّا کی کہانی۔

دودھیا پہاڑ چاندنی کی پھوار کو اپنے آپ میں سمیٹے کھڑا تھا۔

چاندنی سفیدے کے درخت سے ہوتی ہوئی بوند بوند ہم پر ٹپک رہی تھی۔

چاندنی کی بارش میں ہم تر بہ تر ہورہے تھے۔

سارے بچّے گڈوّا کو گھیرے ہوئے تھے۔سکّو خالہ کدّو کے بھیگے بیج لئے ہمارے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔ایک ایک بیج اُن کے چکّی جیسے منہ میں پِس رہا تھا۔ گڈوّا تازے چنے اور گُڑ کے لڈّو بنابناکر ہم سب کو ایک ایک دے رہی تھی۔

سکّو خالہ پوچھنے لگی، ”یہ بچّے تم کو اتنے پیارے کیوں لگتے ہیں؟ اُن کو چیزیں بنا بنا کر کھلاتی ہو، کہانیاں سناتی ہو ، ان کے ساتھ کھیلتی ہو، ان کو ہنساتی ہو، ان کی خوشی میں خوش ہوتی ہو۔ جب کوئی بیمار ہوجاتا ہے، تو تمہارا کھانا پینا بند ہوجاتا ہے۔ ذرا بتاؤ توسہی، تمہیں یہ بچّے اتنے عزیز کیوں ہیں؟“

”بیوقوف عورت،“ گڈوّا نے جواب دیا۔ ”چاند بھلا کس کو عزیز نہیں ہوتا؟ آسمان میں تو ایک ہی چاند ہے۔ پر میرے اِردگرد دیکھو تو کتنے سارے چاندہیں؟“ اپنی اُنگلیوں سے ہماری طرف اشارہ کرتے ہوئے اُس نے کہا اور جب وہ یہ سب کہہ رہی تھی، تو مجھے ان کی آنکھوں سے ایک عجیب سی ٹھنڈی اورنرم چاندنی برستی ہوئی نظر آئی۔

میں نے انھیں 'ناریل کی دلہن' کی کہانی سنانے کو کہا۔ پیروبابو نے 'لومڑی اورسور' کی کہانی کی مانگ کی۔ لچھکّا نے'گول کدّو اور بکری' کی کہانی کے لئے اپنی زبان کھولی۔ پر گڈوّا نے ہماری کوئی فرمائش پوری نہیں کی۔

”ایک نئی کہانی سناؤں آج؟“ اس نے پوچھا۔ ”سنوگے؟“

ہم نے فوراً سرہلاکر حامی بھردی۔

گڈوّا نے کہانی شروع کی۔ وسنتا اُن کی گودی میں چڑھ کر سننے لگی۔

ایک وقت کی بات ہے۔ آسمان اماں کے دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام سورج کے نام سے سوراتّا تھا۔ دوسرے کا چاند کے لئے چندرنّا تھا۔ اُن کا کوئی باپ نہیں تھا۔ آسمان اماں نے خود ہی پال پوس کر بڑے لاڈ و پیار سے دونوں کو بڑا کیا تھا۔ انھیں بہت سارے ہنر میں ماہر بنایا تھا۔ ایک دن دونوں بیٹے اپنی ماں کے پاس پہنچے اور کہنے لگے، ”ہمیں دنیا کی سیر کرنی ہے۔ہمیں جانے کی اجازت دو۔“
”تم دونوں میری دو آنکھیں ہو۔ اگر تم چلے جاؤ گے تو پھر مجھے کون پوچھے گا؟“ وہ رونے لگی۔

سکّو خالہ کی آنکھیں اس بات پر بھر آئی۔ ساڑی کے پلّو سے آنکھوں کی نمی صاف کرکے ناک بھی پوچھ لی۔

سورنّا اور چندرنّا کہنے لگے، ”ہماری تعلیم کس کام کی جب اُسے پرکھا ہی نہیں گیا ہو؟ دُنیا میں وہ کسی کے کام آئے، تب ہی تو اس کاکوئی فائدہ ہے۔ ہم بس ایک سال میں لوٹ آئیں گے، یہ تم سے وعدہ ہے۔ ہمیں دعا دو اور جانے کی اجازت دو۔“

آسمان اماں نے ہار کرکہا، ”ٹھیک ہے۔ جب تم لوگ جانا ہی چاہتے ہوتو میں تم کو کیوں روکوں؟ جاؤ، اپنا خیال رکھو اور اپنا سفر شروع کرو۔ جب لوٹ کر آؤ تو اپنے ماموں کی بیٹیوں سے بیاہ کر لینا۔ پگتماں (دن) اور رے اماں (رات)سے شادی کرکے خوش وآباد رہنا۔“

سورانّا مشرق کی طرف اور چندرنّا مغرب کی طرف نکل پڑے۔

مشرقی ریاستوں میں گھومتے گھامتے پھرتے سورانّا ، اندراپرست کی ریاست پہنچا۔ وہاں کے راجہ وناپرست کی سات بیٹیاں تھیں۔ ان سات بیٹیوں کو سورگ کے ست رنگی پھولوں کو پانے کی بڑی خواہش تھی۔ انھوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ اسی سے شادی کریں گی جوان کے لئے وہ پھول لے آئے گا۔ راجہ نے اعلان کروایا کہ جو بہادر شخص اس کارنامے کوانجام دے پائے گا، اپنی سات بیٹیاں ہی نہیں بلکہ ریاست کا آدھا حصّہ بھی عطا فرمائے گا۔

کئی جنگجو بادشاہ اور شہزادے ست رنگی پھولوں کی تلاش میں سورگ کی طرف روانہ ہوئے۔ کچھ کو ان اژدھوں نے نگل لیا جو پھولوں کی نگرانی کرتے تھے، کچھ جان کی خیر مناتے ہوئے لوٹ آئے۔ اسی طرح دن گزر تے گئے۔

راجہ وناپرست ہر روز نئے اعلان کرواتا رہا پر کوئی بھی سورما ان ست رنگی پھولوں کو لانے میں کامیاب نہیں ہو پایا۔ راجہ بیٹیوں کی شادی کو لے کر بڑا پریشان تھا لیکن شہزادیاں بھی اپنی ضد پر قائم تھیں۔

سورانّا جب اندراپرست پہنچا تو اُس نے بھی شاہی اعلان سنا اورسورگ کے راستے پر نکل پڑا۔ اپنی تیروں سے اُس نے ایک ایسی سیڑھی بنائی جو آسمان کو چھونے لگی۔

روی نے اپنے زانو پر ہاتھ مار کرکہا، ”اب دیکھنا، بجاّکا میں بھی کل تیروں سے سورگ تک ایک سیڑھی بناؤں گا۔“ ”چپ کر!میں کہانی سُن رہی ہوں،“ بجاّکا نے ڈانٹ دیا۔ روی نے ذرا بھی پرواہ نہ کی اوراپنے خالی ہاتھوں کے اشاروں سے وہ خیالی تیر آسمان کی طرف چھوڑتا رہا۔

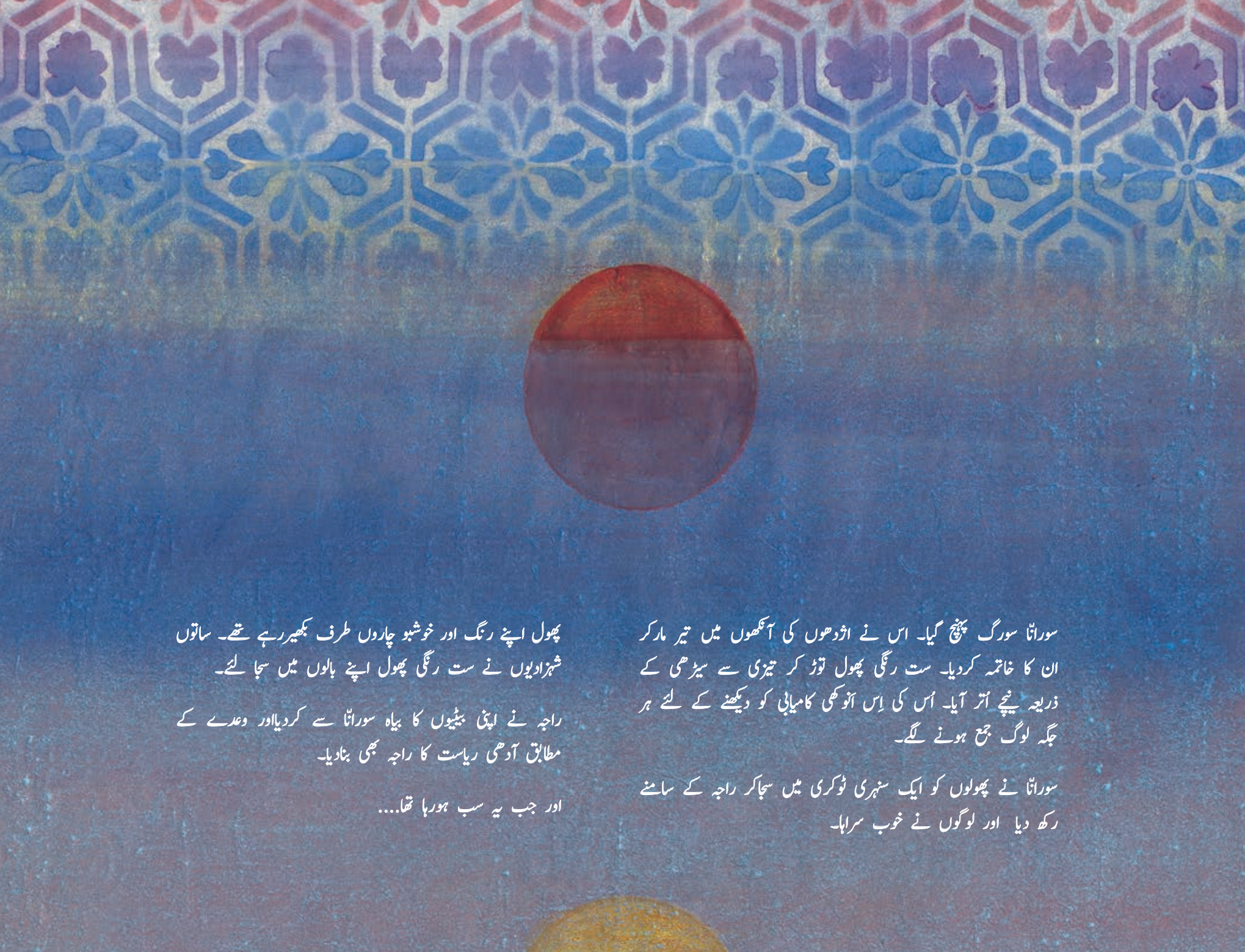

سوراتّا سورگ پہنچ گیا۔ اس نے اژدھوں کی آنکھوں میں تیر مارکر ان کا خاتمہ کردیا۔ ست رنگی پھول توڑ کر تیزی سے سیڑھی کے ذریعہ نیچے اُتر آیا۔ اُس کی اِس انوکھی کامیابی کو دیکھنے کے لئے ہر جگہ لوگ جمع ہونے لگے۔

سوراتّا نے پھولوں کو ایک سنہری ٹوکری میں سجاکر راجہ کے سامنے رکھ دیا اور لوگوں نے خوب سراہا۔

پھول اپنے رنگ اور خوشبو چاروں طرف بکھیررہے تھے۔ ساتوں شہزادیوں نے ست رنگی پھول اپنے بالوں میں سجا لئے۔

راجہ نے اپنی بیٹیوں کا بیاہ سوراتّا سے کردیااور وعدے کے مطابق آدھی ریاست کا راجہ بھی بنادیا۔

اور جب یہ سب ہورہا تھا....

چندرنّا اپنے گھوڑے پر سوار مغربی
سمت میں واقع ایک جنگل میں
پہنچ گیا۔ جنگل اِس قدر
گھنا تھا کہ اس میں داخل
ہونا ناممکن لگ رہا تھا۔
ایک سادھو بابا وہاں تپسیا
میں مگن تھے۔ ایک برہما
راکشس اُن کی خوبصورت بیٹی
سے شادی کرنے کے لئے انھیں
تنگ کررہا تھا۔ ایک دن، جب سادھو
بابا گھر پر نہیں تھے، راکشس نے ان کی
بیٹی کا اغوا کرلیا اور سات سمندر پار
ایک برگد کے تنے میں اُسے چھپا

دیا۔ سادھو بابا بڑے پریشان ہوئے۔ اُس
وقت جب پیاسا چندرنّا وہاں پہنچا تو
سادھو بابا نے اسے پانی پلایا۔ چندرنّا نے
ان کے ہِراساں چہرے کو دیکھ کر پوچھا،
”بابا! آپ کیوں پریشان لگ رہے ہیں؟“

وہ بولے ”تم شکل سے کوئی شہزادے
لگتے ہو۔ میری بیٹی کو راکشس سے بچا
لاؤگے تو میں اُس کی شادی تم سے
کردوں گا۔“

چندرنّا گھوڑے پر سوار، سات سمندر
پار برگد کے پیڑ کے پاس پہنچ گیا۔
ایک بڑا سا خوفناک راکشس اُس کے
اوپر کود پڑا....

گڈوّا کے گود میں بیٹھی وسنتا ڈر کے مارے اُن سے چپک گئی۔ ”مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے،“ روی یہ کہتے ہوئے اپنے گھر میں بھاگ گیا۔ وہاں دروازے کے پیچھے سے اپنے کان باہر کئے باقی کہانی سنتا رہا۔

چندرنّا ہوا میں چھلانگ لگاکر راکشس پر کود پڑا۔راکشس نے اسے زمین پرپٹک دیا۔ چندرانّا لپک کر پھر سے راکشس پہ ٹوٹ پڑا۔ راکشس نے ایک بڑے اِملی کے پیڑ کو اکھاڑ کر اُس پر پھینک مارا۔ چندرانّا نے جُھک کر وار کو خالی جانے دیا۔ اس نے پُھرتی سے ایک برگد کا بڑا سا پیڑ اُکھاڑ کر راکشس پر دے مارا۔ پھر راکشس نے بڑا سا پتھر پھینکا۔ چندرانّا نے ایک پہاڑ سے جواب دیا۔ اس طرح یہ گھماسان لڑائی پورے ایک ہفتے تک چلتی رہی۔ آخرکار، چندرنّا نے راکشس کی گردن توڑ کر اس کا خاتمہ کردیا۔ راکشس ایک بھیانک چیخ کے ساتھ زمین پر چت ہوگیا۔

سادھو بابا نے اپنی بیٹی کا بیاہ چندرنّا سے کردیا۔

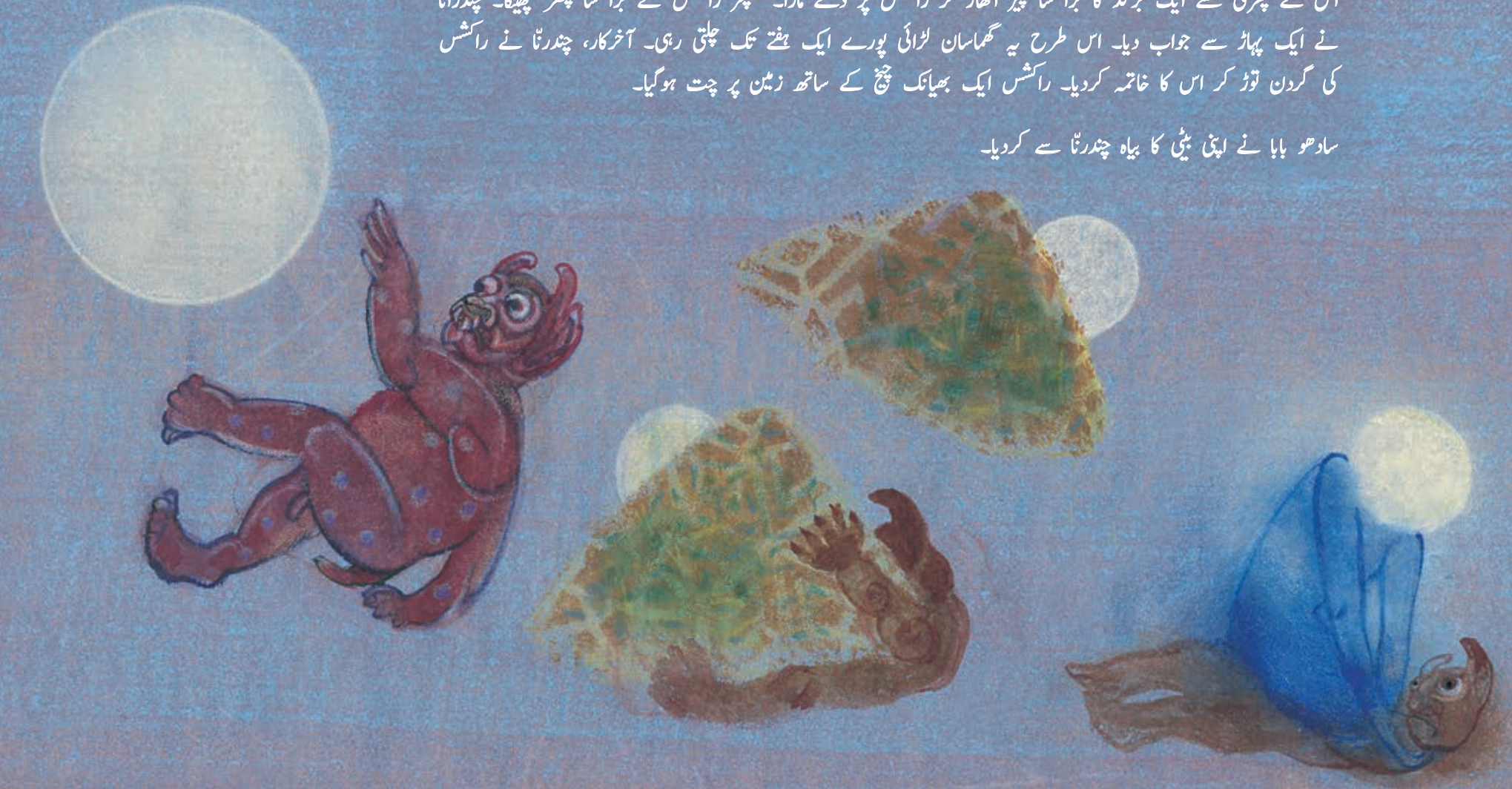

روی دروازے کے پیچھے سے آکر پھر ہمارے بیچ بیٹھ گیا۔

دونوں بیٹے اپنی بیویوں کے ساتھ اپنی ماں کے پاس لوٹ آئے۔انہوں نے اپنے ماموؤں کی بیٹیاں بھی بیاہ لیں۔ سوراٌنا نے پکتماّں اور چندرنّا نے رے امّاں سے شادی کرلی۔

اس وقت سے چندرنّا پندرہ دن رے امّاں کے ساتھ اور پندرہ دن سادھو بابا کی بیٹی کے ساتھ گزارتا ہے...اسلئے پندرہ دن تک چاندنی ہوتی ہے اور پندرہ دن اندھیرا رہتا ہے۔

اس طرح کچھ وقت گزرگیا۔

آسمان امّاں بہت بیمار پڑگئی۔ حکیم نے کہا کہ اُن کو زندہ رکھنے کے لیے سمندر کے کھمان سے بنائی گئی چھانچ پلائی جائے۔ دونوں بھائیوں نے فوراً روپیلی پہاڑیوں سے ایک لمبا سا ڈنڈا بنایا۔ پھر اُس سے سمندر کو کھمایا اور دو گھڑے بھر کر چھانچ لے آئے۔

چندرانّا سیدھے اپنی ماں کے پاس گیا۔

سورانّا اپنی سات بیویوں کے پاس گیا' جو پگتنّاں کو بالکل بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔ وہ اپنی ساس سے بھی چِڑھتیں تھیں جو پگتنّاں کو ہی رانی مانتی تھی۔ تو اِس لئے موقع دیکھ کرانھوں نے چھانچ میں مِرچ ملادی۔

جب آسمان اناں نے چندرانّا کے گھڑے سے چھانچ پی تو ان کا پیٹ ٹھنڈا پڑنے لگا۔ انھوں نے اُسے دعادی "چندرانّا، تیری لائی ٹھنڈی چھانچ نے مجھے ٹھیک کردیا ہے۔ اِس لئے تو اور تیری بیوی رے اناں ہمیشہ پُرسکون رہیں گے۔ اپنے نرم اور فراخدل ہاتھوں سے تم دنیا میں ہمیشہ نعمت برساؤگے۔ لوگ تم دونوں کو پسند کریں گے۔"

آسمان اناں نے سورانّا کے گھڑے سے چھانچ پی اور اس کے پیٹ میں ایک آگ سی لگ گئی۔ اس نے سورانّا کو کوسا "تمہاری یہ جرأت! میرا پیٹ جلادیا؟ تم اورتمہاری بیویاں سدا جلتے، جھلستے رہیں گے۔ لوگ تم سب کو دیکھ کر کہیں گے، 'باپ رے کیسی بھیانک گرمی ہے!' اور تمہیں کوسنے لگیں گے۔"

یہ سنتے ہی سوراٹا کی بیویاں آسمان اٹاں کے پیروں پر گر پڑیں اور گڑگڑا کر معافی مانگنے لگیں۔

”تو یہ سب تم لوگوں نے کیا ہے! میں نے اپنے تابعدار بیٹے کو یونہی کوس دیا۔ تم نے جو اذیت مجھے دی ہے، اس سے دُگنی اذیت تمہیں بھگتنی پڑے گی۔ تم لوگ ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگو گی اور اپنے اپنے راستے پر الگ الگ چلے جاؤ گی۔ سوراٹا صرف پگتماں کے ساتھ رہے گا۔ جب بارش ہوگی، تبھی تم سب مل کر سوراٹا کے ساتھ رہ سکوگی۔“ اس طرح آسمان اٹاں نے اپنی ساتوں بہوؤں کو کوسا۔

”تو بچّو، تم نے بارش میں وہ ست رنگی قوس قزح دیکھا ہے؟
وہ سات رنگ وہی شہزادیاں ہیں جو صرف بارش میں مل سکتی ہیں“۔
”ہاں، اِسی لئے کہتے ہیں کہ ماں کے منہ سے نکلی ہوئی آہ ہمیشہ رنگ لاتی ہے،“ سکّو خالہ نے یاد کیا۔

آسمان اماں اِس بات پر بہت افسوس کرنے لگی کہ اُس نے انجانے میں اپنے بیٹے کو کوس دیا۔ ”میں نے اپنے معصوم بچّے کو کوس ڈالا۔ کیسی ماں ہوں میں؟ میں اور زندہ نہیں رہناچاہتی۔ میں اِس اونچے ٹیلے سے کود کر اپنی جان دے دوں گی۔“ آسمان اماں تیزی سے چڑھنے لگی۔

اسی وقت پاروتی اور بھگوان پرمیشور اپنے رتھ پر سوار وہاں سے گزررہے تھے۔ پاروتی نے تیز آواز میں کہا، ”دیو! رتھ روکو۔ وہاں کوئی عورت اُس اونچے ٹیلے سے کودنے جارہی ہے۔“

شیوا نے نرمی سے ڈانٹ دیا، ”عورتوں کی یہی بری عادت ہے۔مرنے دو کودکر، ہمیں کیا فرق پڑتا ہے؟ چُپ رہو اور چلو آگے۔“

پاروتی اپنے شوہرپر برسنے لگی۔”تم دیو ہو یا راکشس؟ سب مرد ذات ایک سے ہوتے ہیں۔ جب ہماری ضرورت ہوتی ہے تو ہمارے اوپر زیوروں کی بوچھار کردیتے ہو۔ اور جب کوئی کام نہیں ہوتا تو دور پھینک دیتے ہو۔دھوکے باز! سانپ ہوسارے۔“

”میرے کچھ کہنے کی دیر ہوتی ہے اور تم لڑنے دوڑ پڑتی ہو ۔ سانپ کو گلے میں ڈال لینا، پر کبھی کسی عورت کے گلے میں منگل سوتر نہ ڈالنا“ شیوا بڑبڑاتے ہوئے رتھ روکنے لگے۔

پاروتی نے آسمان اماں کا پلّو پکڑ کر کودنے سے روک لیا۔ اُن دونوں کو دیکھ، آسمان اماں کے آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور اپنی ساری کہانی سنا ڈالی۔ اُن دونوں نے سمجھایا ”یہ تمہاری غلطی نہیں ہے۔ یہ تو ہماری لیلا ہے۔ تمہارا بڑا بیٹا اس جہاں میں بس رہے سبھی جانوروں اور پودوں کو آفتاب کی روشنی دے گا۔ تمہارا چھوٹا بیٹا سب پر چاندنی برسائے گا۔ ہم پوشیدہ بھگوان ہیں، لیکن وہ دونوں دکھائی دینے والے بھگوان ہیں۔“ اِن الفاظ کے ساتھ وہ دونوں اپنے رتھ میں نکل پڑے اور آسمان اماں بھی گھر لوٹ آئی۔

”اور اس طرح کہانی ختم ہوئی۔ چلو، اَب سب گھر چلیں،“ گڈوّا نے کہا۔

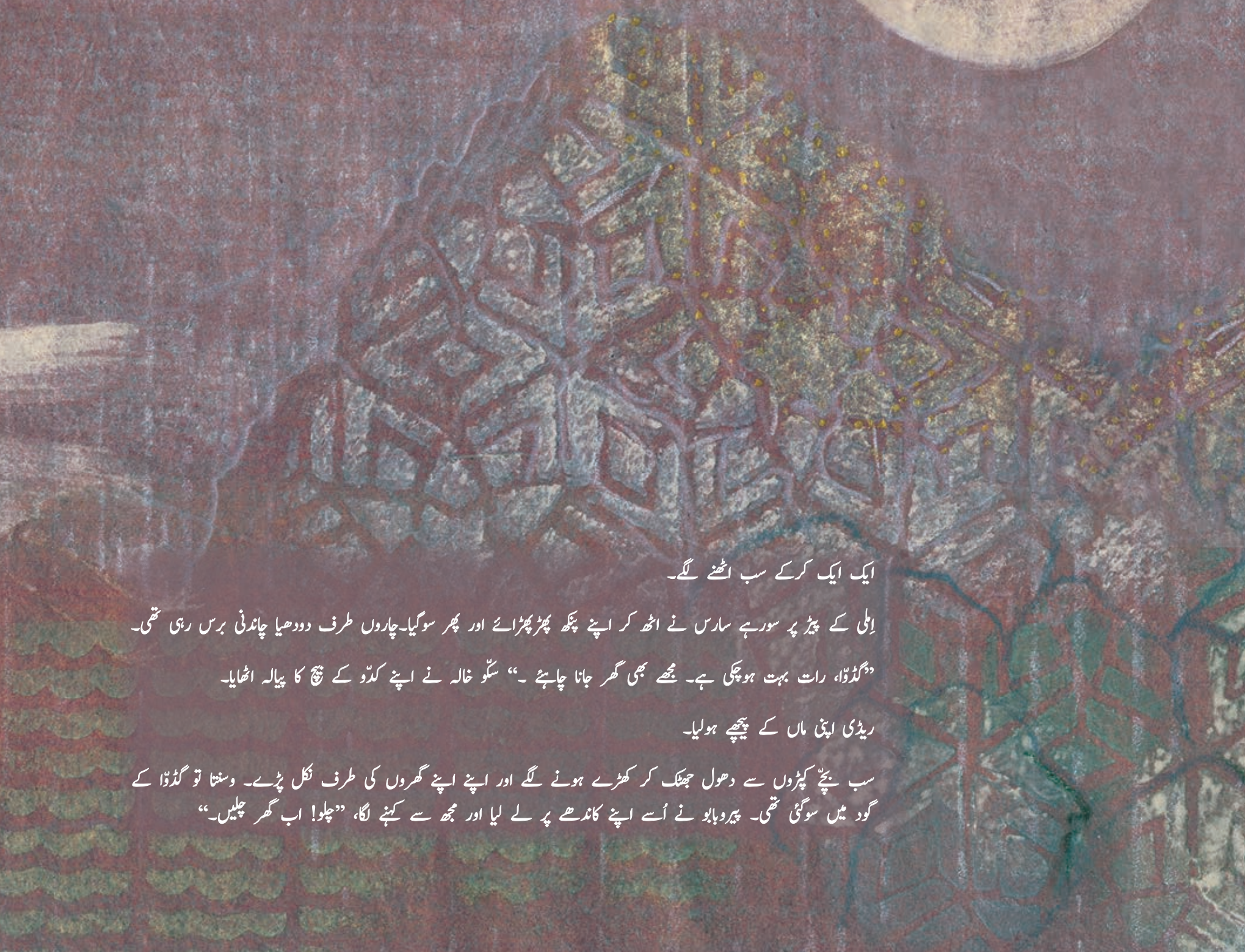

ایک ایک کرکے سب اٹھنے لگے۔

اِملی کے پیڑ پر سورہے سارس نے اٹھ کر اپنے پنکھ پھڑپھڑائے اور پھر سوگیا۔چاروں طرف دودھیا چاندنی برس رہی تھی۔

"گڈوّا، رات بہت ہوچکی ہے۔ مجھے بھی گھر جانا چاہئے ۔" سکّو خالہ نے اپنے کدّو کے بیج کا پیالہ اٹھایا۔

ریڈی اپنی ماں کے پیچھے ہولیا۔

سب بچّے کپڑوں سے دھول جھٹک کر کھڑے ہونے لگے اور اپنے اپنے گھروں کی طرف نکل پڑے۔ وسنتا تو گڈوّا کے گود میں سوگئی تھی۔ پیروبابو نے اُسے اپنے کاندھے پر لے لیا اور مجھ سے کہنے لگا، "چلو! اب گھر چلیں۔"

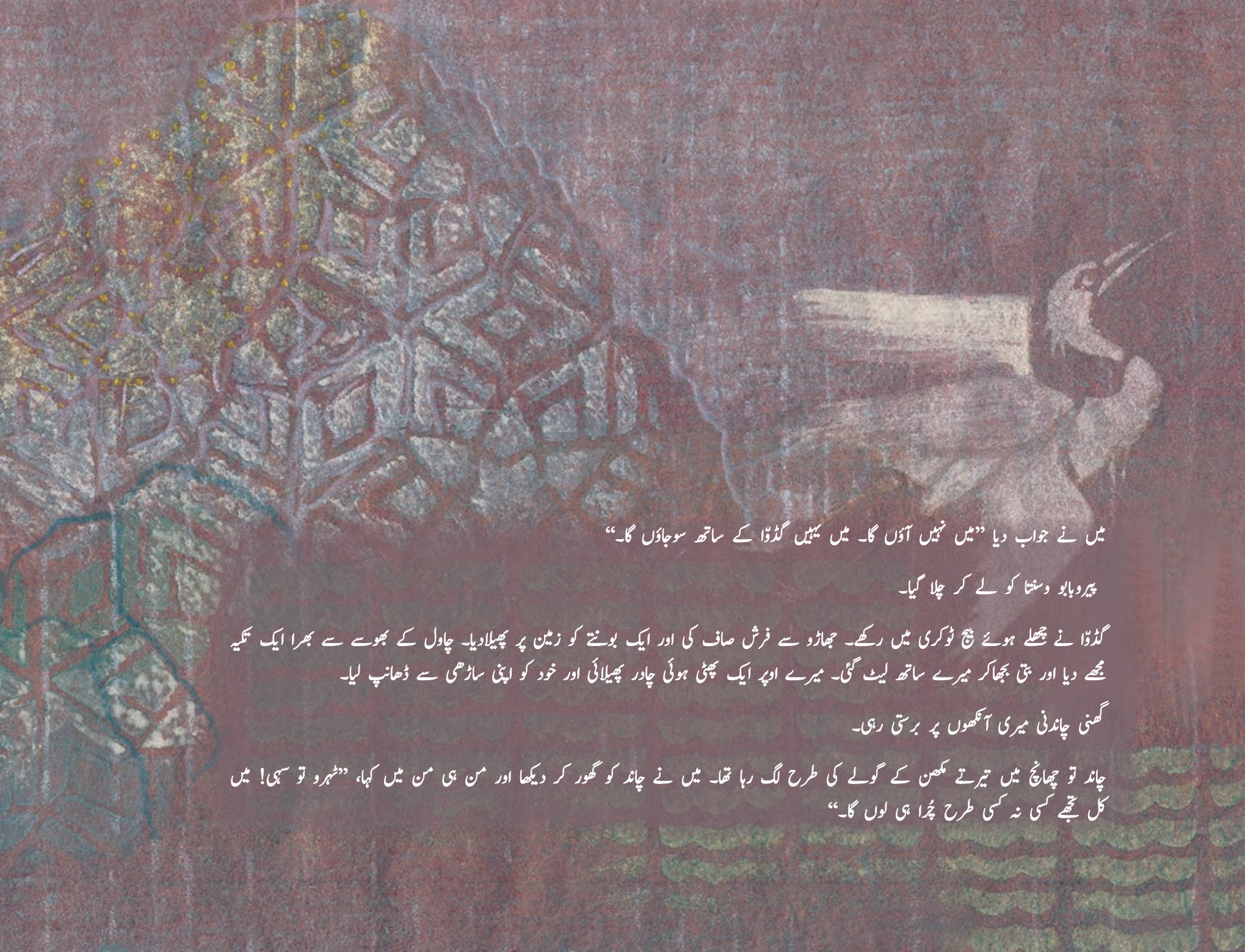

میں نے جواب دیا ”میں نہیں آؤں گا۔ میں یہیں گڈوّا کے ساتھ سوجاؤں گا۔“

پیروبابو وسنتا کو لے کر چلا گیا۔

گڈوّا نے چھلے ہوئے بیج ٹوکری میں رکھے۔ جھاڑو سے فرش صاف کی اور ایک بونتے کو زمین پر پھیلادیا۔ چاول کے بھوسے سے بھرا ایک تکیہ مجھے دیا اور بتی بجھاکر میرے ساتھ لیٹ گئی۔ میرے اوپر ایک پھٹی ہوئی چادر پھیلائی اور خود کو اپنی ساڑھی سے ڈھانپ لیا۔

گھنی چاندنی میری آنکھوں پر برستی رہی۔

چاند تو چھانچ میں تیرتے مکھن کے گولے کی طرح لگ رہا تھا۔ میں نے چاند کو گھور کر دیکھا اور من ہی من میں کہا، ”ٹھہرو تو سہی! میں کل تجھے کسی نہ کسی طرح چُرا ہی لوں گا۔“

صبح سویرے کا وقت تھا۔ مُرغا بانگ دے رہا تھا۔

گڈوّا باؤلی سے پانی سینچنے گئی تھی۔ اس نے چرخی گھمائی ، پہیے کی آواز ایسی تھی جیسے کوئی کھیسانی سی ہنسی ہنس رہا ہو۔

آسمان میں کوئی چاند نہیں تھا ۔شاید پھر سے گڈوّا نے چاند کو چھیکے سے لٹکے گھڑے میں چھپا دیا تھا۔ دبے پاؤں، کسی بلی کی طرح، میں چھیکے کے گھڑے کے پاس پہنچا جو بہت اونچائی پر تھا۔ میں چنے کے تھیلے پر چڑگیا۔ جھانک کر باہر دیکھا کہ کہیں گڈوّا تو نہیں آرہی ہے۔ دھیرے سے گھڑا اُتار کر اُسے نیچے لے آیا۔ گھٹنے کے بل بیٹھ کر میں نے اوپر سے تھالی ہٹائی۔

ایسا لگا کہ بجلی سی کوند گئی ہو...میری آنکھیں چُندھیا گئیں۔ کچھ پل کے لئے مجھے کچھ بھی دِکھائی نہیں دیا۔ گھڑے میں سینکڑوں چراغوں کی روشنی جگمگارہی تھی۔ دمکتی ہوئی تیز چاندنی....

میں ہاتھ ڈال کر گھڑے سے چاند کو باہر نکالنا چاہتا تھا پر وہ چاند کسی ننھی مچھلی کی طرح پھسل کر چھوٹ جاتا۔ میں نے دونوں ہاتھوں کی اُنگلیوں کا جال پھیلایا اور آخرکار اُسے اُٹھالیا۔ چاندنی کا گولا میرے ہاتھوں میں برف کی طرح ٹھنڈا لگ رہا تھا۔ میں نے اُسے چوم لیا۔ میرے ہونٹ ٹھنڈ سے جمنے لگے۔

میرا جسم خوشی سے کپکپانے لگا۔

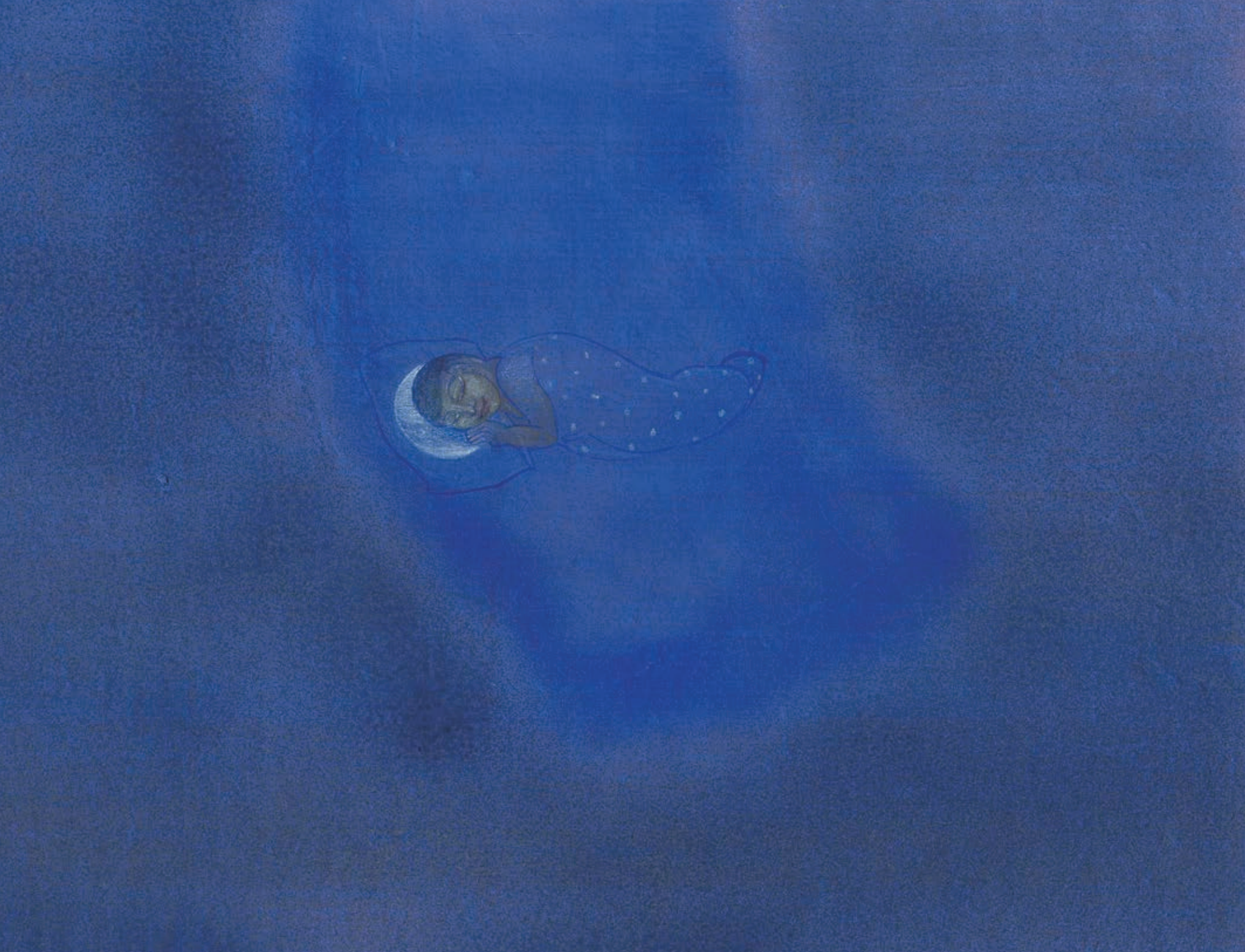

مجھے گڈوّا کے قدموں کی چاپ سُنائی دینے لگی۔

میں نے بھاگ کر چاند کو اپنے تکیہ کے نیچے چھپا دیا، چادر مُنہ پر سے تانی اور کسی معصوم بچّے کی طرح آنکھیں بند کرکے سوگیا۔

گھڑے میں چاند GHADE MEIN CHAND

اصل کہانی (تلگو): گوپینی کروناکر
آرٹ: نیلیما شیخ
ترجمہ(انگریزی سے اُردو): اسماء رشید

ڈیزائن: کنک ششی
سیریز ایڈیٹر: دیپتا آچار
اُردو ایڈیٹرز: اسماء رشید اور ایم. اے.معید
ڈفرنٹ ٹیلز ٹیم: کے.للیتا، ڈی.وسنتہ، جیاشری کلاتل، اوما بروگھوبنڈا، شکنیہ کنارلی اور سُوزی تھارو۔

Anveshi ڈفرنٹ ٹیلز : پسماندہ ثقافتوں و علاقائی زبانوں کی کہانیاں انویشی ریسرچ سینٹر فار ومنزاسٹڈیز، حیدرآباد، کی ایک پہل۔

(c) انویشی: کہانی، آرٹ اور ڈیزائن

پہلا ایڈیشن: 2025 جنوری (1000 کاپیاں)
کاغذ: 100 جی ایس ایم میٹ آرٹ اور 220 جی ایس ایم پیپر بورڈ(کور)
ISBN: 978-93-48176-30-1
قیمت: ₹ 80.00

ناشر : ایکلویا فاؤنڈیشن
جمنا لال بجاج پریسر
جنگھیڈی، بھوپال - 462026 (مدھیہ پردیش)
books@eklavya.in / www.eklavya.in

انویشی ریسرچ سینٹر فار ومنزاسٹڈیز
2-2-18/2/A
دُرگا بائی دیش مکھ کالونی، حیدرآباد - 500007 (تلنگانہ)
anveshirc@gmail.com ; www.anveshi.org.in

پرنٹر : آر.کے.سیکیوپرنٹ پرائیویٹ لمیٹڈ، بھوپال، فون نمبر: 2687589 755 91+

List of titles

Urdu

Chataai Aur Nani, Tum Roz Qat Likhna
School Ki Ankahi Kahaniyan
Tareeq Ke Saaye
Ghade Mein Chand
Tataki Phir Jeet Gayi Aur Shabaash Badeyya
Boriwala
Sire Paye Ka Saalan
Ek Ladka Do Naam Aur Shaija Ki Khalai Duniya
Maa

English

Head Curry
Moon in the Pot
Mother
The Sackclothman
Spirits from History
Tataki Wins Again & Braveheart Badeyya
Untold School Stories
The Two Named Boy & Other Stories
The Mat And Write Every Day, Ajji!

These books have also been published in Telugu, Malayalam, Hindi and Kannada.

“ بوڑھی گڈوّا ہر رات اپنے ننھے پوتے کے لئے ایک طِلسماتی
دُنیا پیدا کر لیتی ہے، حالانکہ خود اُس کی زندگی کڑے جدوجہد و مشکلات سے بھری پڑی ہے۔ ”

چاہے وہ الفاظ میں ہو یا تصویروں میں، موجودہ بچّوں کا ادب متوسط طبقے کے بچّوں کی زندگی و دنیا کو نمایاں کرتا ہے۔ ”ڈفرنٹ ٹیلز“ کی کہانیاں بچّوں کے ادب کے اِس محدود دائرے سے نکل کر مختلف طبقات، ذات، مذہبی ثقافتوں اور جسمانی صلاحیتوں کے جانباز بچّوں سے ہماری ملاقات کرواتی ہیں۔ یہ کہانیاں نئے نظاروں، خوشبوؤں، آوازوں، خوشیوں اور غموں سے بھری ہیں اورایک مشترک و جامعہ ہندوستان کے لیے حقیقی دین ہیں۔

— سُوزی تھارو

اِسکالر، مصنفہ اور خواتین کی تحریک کی کارکن

Price: ₹80.00

9 789348 176301

Anveshi eklavya

DIFFERENT TALES

”ڈفرنٹ ٹیلز“ علاقائی زبانوں سے ایسی کہانیاں پیش کرتی ہیں جن کے بارے میں بچّوں کی کتابوں میں شاذ و نادر ہی پڑھا جاتاہے۔ ان میں سے بہت سی کہانیاں مصنف کے اپنے بچپن کی تصاویر ہیں جو اکثر مختلف ثقافتی دنیا میں پرورش پانے، ساتھیوں، والدین اور دیگر بالغوں کے ساتھ نئے تعلقات تلاش کرنے کے الگ الگ طریقوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ یہ ہمیں لذیذ پکوانوں، منفرد کھیلوں، اسکول میں غیر متوقع اسباق، خلوص اور دوستی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے دلکش سفر پر لے جاتی ہیں۔